OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com DOI: 10.5281/zenodo.10514393

ڈاکٹر اسلم انصاری کی نظم گوئی

Nazm of Aslam Ansari

Dr. Nawaz Kawish
Chairman Department of Urdu, National College of Business Administration & Economics Sub Campus Bahawalpur
Email: nawaz.kawish7@gmail.com

Mushtaq Ahmad
PhD Scholar Urdu, National College of Business Administration & Economics Sub Campus Bahawalpur
Email: mushtaqkharal46@gmail.com

Shazia Kanwal
PhD Scholar Urd, National College of Business Administration & Economics Sub Campus Bahawalpur
Email: altaf0676@gmail.com

Received on: 21-07-2023 Accepted on: 24-08-2023

Abstract

Dr.Aslam Ansari has multi-dimensional personality with lot of literary legacy. He got perfection in both ghazal and Nazm. He is also an eminent critic and a famous historian. But his real grandeur lies in his poetry. He adopted a new novel diction for poetry. His phrases and similes are entirely different from his predecessors. He has great command in Urdu, Serieki, Persian and English. His verses became proverbs. His poem Gotam Bodh ka Akhri waaz (Tamam Dukh hai) has become a masterpiece in Urdu literature. He also got popularity in Persian masnvi, Seriki novel and Fareediat. His poems depict poetic excellence and imaginative beauty. He is one of the representative poets of modern era. His pen slides and glides on the words .His poetry touch the hearts of the readers and provide a thought provoking material for the critics. He is a miles stone for the new writers. His poems have vast canvass and theme of his poems is universal and eternal .He may undoubtedly be called a cosmopolitan poet like Robert Frost .He has deep connection with his land.

Keywords: Literary legacy, imaginative beauty, thought provoking, cosmopolitan poet

پروفیسر ڈاکٹر اسلم انصاری شعر وادب کا معتبر حوالہ ہیں۔ فکری میراث کے یہ شہسوار کئی جہتوں کے مالک ہیں۔ نظم ونثر میں درخشندہ استعارا اور فکر وآگہی میں تشنگان علم کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شعر وادب میں اپنا ایک الگ تشخص رکھتے ہیں۔ وہ ایک دبستان، تاریخ، عہد اور اعلی تہذیبی اقدار کے مالک ہیں۔ ان کے اشعار ضرب المثل اور لافانی ہیں ان کی نثر میں پھولوں کی مہک دلوں تک رسائی رکھتی ہے۔

سادہ عام فہم اسلوب ان کا خاصہ ہے۔ عملی زندگی میں رکھ رکھاؤ اور سادگی ان کی پہچان ہے۔ محقق، نقاد، ادیب، شاعر، دانشور اور استاد ہر حیثیت میں انفرادیت رکھتے ہیں۔ اردو، سرائیکی، فارسی، انگریزی ہر زبان میں مہارت اور قابلیت رکھتے ہیں۔ اقبالیات، غالبیات کے ماہر اور میر شناسی میں سند گردانے جاتے ہیں۔ فارسی مثنوی، سرائیکی ناول نگاری اور فریدیات میں بھی خود کو منوا چکے ہیں۔ اور پھر استاد ایسے کہ بولیں تو پھول جھڑتے ہیں بولتے چلے تو جائیں سانس رک جاتے ہیں۔ دم بخود طلبا و سامعین پلک نہیں جھپکتے گفتگو میں گم ہو جاتے ہیں وقت گویا رک جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز سننے والے ساعتوں سے بے خبر محو ہو جاتے ہیں۔ نئے نئے پہلوؤں سے گفتگو کو نیا آہنگ دینا بہت کٹھن ہے لیکن آگہی کا یہ سمندر عمیق سے عمیق ہوتا جاتا ہے۔ اسلم انصاری کا سحر سر چڑھ کر بولتا ہے انہوں نے زندگی میں کئی نشیب و فراز دیکھے ہیں اور اب ایک برگد کے تناور گھنی چھاؤں والے درخت کی مانند ہیں جس کی چھاؤں میں شعر و ادب کی دنیا کے باسی کچھ دیر سستاتے ہیں۔ اور نئے افکار کی منزلوں پر چل نکلتے ہیں۔ ان کے مطابق شاعرانہ تخلیق جزبے اور شعور کے مناسب امتزاج سے منظر عام پر آتی ہے۔ عبدالطیف اختر رقم طراز ہیں، (۱)

"اسلم انصاری کا خیال ہے کہ اچھی اور معیاری شعری تخلیق جذبے اور شعور کی نہایت متناسب آمیزش سے وجود میں آتی ہے۔"

انھوں نے فلسفہ حیات و ممات کو اپنی ایک نظم میں سمیٹ دیا ہے اور بعض ناقدین کے مطابق ان کی پہچان ان کی یہ شہرہ آفاق نظم گوتم بدھ کا آخری وعظ ہے (۲)

مرے عزیزو،
مجھے محبت سے تکنے والو،
مجھے عقیدت سے سننے والو،
مرے شکستہ حروف سے اپنے من کی دنیا بسانے والو،
مرے اَلم آفریں تکلّم سے انبساطِ تمام کی لازوال شمعیں جلانے والو
بدن کو تحلیل کرنے والی ریاضتوں پر عبور پائے ہوئے، سکھوں کو تجے ہوئے بے مثال لوگو
حیات کی رمزِ آخریں کو سمجھنے والو، عزیز بچّو، میں بجھ رہا ہوں
مرے عزیزو، میں جل چکا ہوں
مرے شعورِ حیات کا شعلہء جہاں تاب بجھنے والا ہے
مرے کرموں کی آخری موج میری سانسوں میں گھل چکی ہے
میں اپنے ہونے کی آخری حد پہ آ گیا ہوں
تو سن رہے ہو، مرے عزیزو، میں جا رہا ہوں

میں اپنے ہونے کا داغ آخر کو دھو چلا ہوں
کہ جتنا رونا تھا، رو چلا ہوں
مجھے نہ اب انت کی خبر ہے، نہ اب کسی چیز پر نظر ہے
میں اب تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ نیستی کے، سکوتِ کامل کے
جہلِ مطلق، (کہ علمِ مطلق ہے)، جہلِ مطلق کے
بحرِ بے موج سے ملوں گا تو انت ہو گا
اس التباسِ حیات کا، جو تمام دکھ ہے!!
میں دکھ اٹھا کر، مرے عزیزو، میں دکھ اٹھا کر
حیات کی رمزِ آخریں کو سمجھ گیا ہوں: تمام دکھ ہے
وجود دکھ ہے، وجود کی یہ نمود دکھ ہے
حیات دکھ ہے، ممات دکھ ہے
یہ ساری موہوم و بے نشاں کائنات دکھ ہے
شعور کیا ہے؟ اک التزامِ وجود ہے، اور وجود کا التزام دکھ ہے
جدائی تو خیر آپ دکھ ہے، ملاپ، دکھ ہے
کہ ملنے والے جدائی کی رات میں ملیں ہیں، یہ رات دکھ ہے
یہ زندہ رہنے کا، باقی رہنے کا شوق، یہ اہتمام دکھ ہے
سکوت دکھ ہے، کہ اس کے کربِ عظیم کو کون سہہ سکا ہے
کلام دکھ ہے، کہ کون دنیا میں کہہ سکا ہے جو ماورائے کلام دکھ ہے
یہ ہو نا دکھ ہے، نہ ہو نا دکھ ہے، ثبات دکھ ہے، دوام دکھ ہے،
مرے عزیزو تمام دکھ ہے!

"گوتم کا آخری وعظ" ڈاکٹر اسلم انصاری کی شاہکار نظموں میں شمار کی جاتی ہے۔ ہر شاعر کی شناخت کسی ایک شعر یا کسی ایک نظم کے حوالے سے ہوتی ہے۔ یہ نظم بھی انصاری صاحب کی شناخت اور حوالہ ہے۔ اس میں کائنات کا فلسفہ سمو دیا گیا ہے، اپنے اسلوب اور فکر کی بدولت اسے اردو کی زندہ و جاوید نظموں میں جگہ دی جاتی ہے۔ جدید شعری فارم میں کہی گئی نظم میں زندگی کی سچائیوں کا ادراک و آگہی کا احساس ملتا ہے۔ گوتم ایک علامت کے طور پر نظم میں موجود ہے جسے گیان، دھیان سے دنیاوی دکھ سکھ، فنا و بقا، فطرت انسانی، تصوف، حسن لازوال،

جمالیاتی جہتوں، فکر و عرفان کو خطابیہ انداز میں نظم میں ڈھالا گیا ہے۔ اس میں اپنے موضوع و معنوی طرز احساس کا دلوں میں اترنے کا تاثر سلیقہ رکھتا ہے۔ غلام حسین ساجد (۳) کے نزدیک گوتم کی فکری عمیق سے فلسفے کے چھبیس دبستانوں کی بنیاد پڑی تھی۔ اسلم انصاری کی فکر کو بھی ایک نئے شعوری روئیے کی بنیاد بننا ہے۔

خوبصورتی اسلم انصاری کی کمزوری تھی۔ حسن انہیں ہر صورت میں کشش کرتا تھا لیکن اس کے باوجود ادب کی دنیا کی عظیم ہستیوں سے انہیں بے پناہ محبت تھی وہ اس معاملہ میں ظاہری خوبصورتی کی طرف نہیں جاتے تھے۔ بقول خورشید رضوی (۴)

"اسلم بے حد جمال پرست تھے۔ اچھی صورت، اچھی آواز، اچھا رنگ، اچھی تصویر، اچھی تحریر، اچھی فلم کے بے ساختہ مداح، ہر طرح کی بد صورتی سے سخت نفور، لیکن شائستگی کے سبب بہت زیادہ برداشت کرنے والے بھی۔ ٹی۔ایس۔ایلٹ، فراق گورکھپوری، اور قرۃالعین حیدر سے خاص شغف تھا۔"

نظم کا سفر اردو زبان کے ارتقائی عہد میں شروع ہو گیا تھا جب مذہبی شاعری نے اظہار کے لیے اپنے راستے تلاش کیے۔ نظم میں مرکزی خیال اور تسلسل کو بنیاد بنایا جاتا ہے بقول وزیر آغا، (۵)

"نظم تاثر، جذبے اور تجزیاتی مطالعے کا دوسرا نام ہے"

پابند نظم کو نظیر اکبر آبادی نے مقبولیت عطا کی۔ انہوں نے نظم میں ذاتی اور اجتماعی فکر کو زبان دی۔ یوں داخلی خارجی زندگی کے مسائل وافکار کو مصوری کی طرح پیش کیا۔ گویا ان کی نظمیں اس عہد کی تصویریں نہیں اس زمانے کا منظر نامہ ہیں جس میں سانس لیتی زندگی کو دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر اس میں طرہ یہ کہ سادہ اور عام فہم عوامی جذبات کی ترجمانی کر دی۔ یہ روایت حالی اور آزاد تک قائم رہی جب انجمن پنجاب کے ماہانہ مشاعروں میں فطرت سے قریب تر موضوعات لے کر نظم کو پروان چڑھایا گیا۔ یوں غزل میں اظہار پانے والے حسن و عشق کے موضوعات ہٹ کر نظموں میں موسموں، منظروں، مشاہدوں اور تجربات کو پیش کرنے کی شعوری کوشش کی گئی اور اس میں کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن غزل کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔

حالی اور آزاد نے نظم کو ایک نئی جہت عطا کی جبکہ لگ بھگ اسی عہد میں اقبال نے ایک نئی سوچ نظم میں شامل کی جس میں فطرت شناسی، سماجی و سیاسی حالات، آزادی کی تڑپ، قومی و ملی جذبات کو وسیلہ اظہار بنایا گیا۔ پھر ترقی پسندی اور ادب برائے زندگی کے پیروکاروں نے جبر و استعداد، مظلومیت، کسانوں کی بے بسی اور ناانصافی کو نظموں میں موضوع بنایا جبکہ اکبرالہ آبادی نے بغاوت، طنزیہ احساسات کو نظم میں پیش کیا۔ اسمٰعیل میرٹھی اور حالی نے اصلاحی تحریک سے مقصدیت کو نظم کا پیرہن دیا۔ بیسویں صدی میں رومانیت کے زیر اثر حفیظ، اختر شیرانی، احسان دانش نے مروجہ پیرائے سے انحراف کرتے ہوئے محبت کے جذبوں کو اظہار کا روپ دیا۔ جبکہ فیض احمد فیض، مجاز، علی سردار جعفری اور احمد ندیم قاسمی نے سماجی اور سیاسی فکر کو نظم کا موضوع بنایا جبکہ آگے چل کر ن م راشد، میراجی اور تصدق حسین خالد نے آزاد نظم کی صورت میں علامت اور استعارے سے نئی فکر کو روشناس کرایا۔ یہ شعرا مغرب سے متاثر تھے اسلیے ان کے ہاں نظم مغربی طرز فکر کے دریچے

کھلتے ہیں۔ ہیت کے تجربے بھی ہوئے اور گلوبل ویلیج کے مسائل بھی بیان ہوئے داخلیت اور نفسیات کے موضوعات نے نظم کے دامن کو تفہیم سے بے بہرہ بھی کیا لیکن غور و فکر سے علامتی رجحانات کو سمجھنے کی سعی بھی کی گئی۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری،(۶)

''راشد کے بغیر جدید شعری تحریک کا تصور کرنا ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے نہ صرف جدید اردو شاعری کے محدود دامن کو نئی وسعتیں عطا کیں بلکہ شاعری میں فکر انگیز سماجی بصیرت، سیاسی شعور، اور جدت کا بے مثال مظاہرہ کیا''

ن م راشد اور میراجی کا دور نظم کے عروج کا دور تصور کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں داخلیت نے نظم کو ایک نیا راستہ دکھایا جس سے نظم کا دامن وسیع تر ہو گیا۔ اندر کے سفر میں فکر کو جلا دی۔ ایسے میں جوش نے جو نظم تخلیق کی اس میں رعنائی خیال کے ساتھ جمالیاتی احساسات اور انقلابی آہنگ نے انہیں نظم میں ممتاز کیا ان کے ہاں نظم میں لہجے کی گھن گرج اور پرشکوہ لفظیات کا سحر ملتا ہے نظم کا یہ سفر آگے بڑھا تو مجید امجد، قیوم نظر، ابن انشاء، ظہور نظر، اختر الایمان نے اپنی اپنی شاعری میں تہذیبی، سیاسی اور سماجی مسائل کے ساتھ معروضیت کو جگہ دی۔ یوں نظم موضوعات کی اجرک بن گئی جس کا ہر رنگ اپنی اپنی خوشبوؤں سے موثر ترین ہو گیا۔ ان تمام شاعروں نے جہاں خیال و آگہی کے چراغ فروزاں کیے وہاں وطن کی محبت سے سرشاری نظموں میں سمٹ آئی، جمیل الدین عالی، صوفی تبسم، ابن انشاء نے اپنے وطن کی مٹی کو اپنا محبوب بنادیا اور اسکی مدحت میں گیت گائے۔ خاص طور پر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور ۱۹۷۱ء کے سقوط ڈھاکہ کو موضوع بنا کر نظمیں لکھیں۔ اسلم انصاری کی شاعری میں حرمت زمین اور دھرتی سے بے پناہ اپنائیت کا اظہار ملتا ہے وہ مٹی کے ایک ایک انچ پر اپنی محبتوں کو نچھاور کرتے ہیں۔ غلامی سے چھٹکارے اور آزادی کی نعمت کا ادراک رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کا وہ لمحہ جب ہمیں ایک خطہ ایک ملک نصیب ہوا اس ایک لمحے کو انہوں نے لازوال اور انمول کہا ہے۔ ان کی شاعری اس دھرتی کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو، صحراؤں کی وسعت، کوہساروں کی بلند قامتی، میدانوں کی ہریالی، دریاؤں کی روانی، سمندروں کا جوار بھاٹا اور گنگناتے جھرنوں کی جلترنگ فطری انداز میں ملتی ہے۔ انہوں نے وطن کے ساتھ اپنی محبتوں کا اظہار کچھ اسطرح سے کیا ہے کہ لگتا ہے صبح آزادی کی پہلی کرن ایک بشارت بن اتری ہے جس سے ایک ایک ذرہ روشن تر ہو گیا ہے۔

سرزمین پاک کے قریہ قریہ سے عقیدتوں کا جابجا ان کی نظموں میں اظہار ہوتا ہے گل زمین پر صبح تمنا کی تابندہ ضوفشانی بہاروں کا پیغام بن کر در و بام پر اترتی ہے تو اجالوں کے ماتھے چمک اٹھتے ہیں۔(۷)

اے وطن تو سلامت رہے تری صبحیں سلامت رہیں
ترے ماتھے پہ اجلے اجالے کی کرنیں سلامت رہیں
تیرے چشمے رہیں، تیرے جھرنے رہیں، تیرے دریاؤں میں یہ روانی رہے
تیرے بچے رہیں، تیرے بچوں کے دل میں سدا جرات پاسبانی رہے

اپنی نظموں میں اسلم انصاری دعاؤں کے پھول لفظوں میں پرو کر وطن پر نچھاور ہی نہیں کرتے بلکہ خوش آئندہ مستقبل کے ترانے بھی گاتے

ہیں مگر اپنے خاص طرز میں جس کا اثر دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

زندگی کے مثبت پہلو نظم میں یوں تراشتے ہیں کہ مصرعے رواں دواں ہو گئے ہیں۔ زندگی کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا سلیقہ انہیں امر کر دیتا ہے۔ وہ آنے والے لمحوں میں خوابوں کی تعبیر دیکھتے ہیں۔ امیدوں اور خواہشوں کی جگنو راستوں کی نشاندہی کر رہے ہیں بلکہ منزلوں کے سنگ میل ہیں جن پر چل کر خوشیوں کے زمزمے راہوں میں آنکھیں بچھائے استقبال کرتے نظر آتے ہیں۔ آنے والے سکھوں کے سندیسے ہمیں مایوسیوں کی دلدل سے نکال لاتے ہیں اور ہم روشن صبحوں کے آنگنوں میں بہاروں کی دھمالوں میں مست ہو جاتے ہیں۔ یہ احساس کہیں بھی ہمیں ڈگمگانے نہیں دیتا، رکنے نہیں دیتا، ستانے نہیں دیتا ہمیں سعی کی طرف گامزن رکھتا ہے کہ اگلا قدم روشن لمحوں کا امین ہے زندگی سے معمور یہ گیت ان کی نظموں میں رجائی رنگ لیے جابجا نظر آتے ہیں۔

امکانات کے در بھی کھولتے ہیں، راستوں پر تیرگی سے نجات کے بینرز بھی لگاتے ہیں۔ گنگ زبانوں کو گویائی کا ہنر بھی دیتے ہیں لفظوں کو خوشبوؤں سے معطر بھی کرتے ہیں۔ دلوں میں سجے گلستانوں میں تتلیوں کے ہجوم بھی دیکھتے ہیں۔ منظروں کے پیچھے منظروں کو کشید کر کے کائنات کی وسعتوں کے حسن کو دوبالا بھی کرتے ہیں۔ گفتگو کے یہ انوکھے چراغ ہی ان کی نظموں کا عنوان ہیں۔ (۸)

تمام شہروں میں گفتگو کا چراغ ہم ہیں
ہمارے لمحوں سے جھانکتے ہیں
ہمارے لمحے جو روشنی کا مراقبہ ہیں
ہمارے لمحے جو تیرگی کا ذکا شفہ ہیں
ہمارے لمحے جو زندگی کا مکاشفہ ہیں
انہیں سے سہل زباں کے دھارے ابل رہے ہیں
انہیں سے تاریخ کا عمل اپنے اسالیب مانگتا ہے
سنو کہ نغمہ طراز ہم ہیں
تمام لوگوں میں ہم سری کا جواز ہم ہیں
تمام شہروں میں گفتگو کا چراغ ہم ہیں

ہجر، شام تنہائی اور آسیب تنہائی کا استعارہ ہر شاعر کے ہاں کسی نہ کسی انداز میں موجود ہے۔ یہ ہجر کہیں داخلی دنیا کو تہس نہس کر دیتا ہے تو کہیں خارجی کائنات کے رنگوں کو دھندلا دیتا ہے اس عذاب سے گزرنے والا قدم قدم زخمی ہوتا ہے، قدم قدم پر مرتا ہے سوچیں مصلوب، ذہن کند اور اظہار پر تالے لگ جاتے ہیں۔ ایسے میں آہٹوں پر چونکنا مقدر بن جاتا ہے۔ شام وحشت کے آسیب کہیں کہیں اسلم انصاری کے ہاں گہرے تو کہیں عمیق ہو جاتے ہیں۔ ان لمحوں میں رائیگانی دامن گیر ہوتی ہے شام ہجر کی زلفیں دراز ہونے لگتی ہیں یہ ہجر رات کی دہلیز تک پہنچ

کر امیدوں کے دیئے بجھانے لگتا ہے۔ بے اعتنائی کے اژدھے ڈسنے لگتے ہیں۔ یاد کے جگنو روشن ہونے لگتے ہیں دکھ سکھ کے یہ نشیب وفراز اسلم انصاری کی نظموں کا محور ہیں۔ یہ محسوسات کے دائرے کہیں ان کے ذات سے لیے نظر آتے ہیں تو کہیں وہ ان دائروں کے حصار سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں ان کیفیات میں ان کی نظموں کے آہنگ کچھ یوں ہونے چاہیں

ایک اور نظم ''کوئی نقش عہد وصال کا'' کے چند مصرعے ایک نیا رخ سامنے لاتے ہیں چند مصرعے ملاحظہ ہوں۔(۹)

کوئی یاد موسم دار کی
کوئی بات خوئے نگار کی
کوئی صوت بلبل زار کی
جو سکوت شب میں مہک اٹھے

گئی ساعتوں کا دکھ انہیں پتھر بنا دیتا ہے۔ زرد پھولوں کا راج، ویرانیوں کے جنگل، فگار پاؤں، سناٹوں کا راج، بے کیف شامیں، ذات کے گنبد میں بند ہونے کا ادراک اور پڑی بیڑیوں کو اپنی نظم ''شام اور پتھر کا بت'' میں یوں اظہار کا پیراہن عطا کرتے ہیں۔(۱۰)

مگر میں جو صدیوں کا دکھ جھیل کر آ کے دیتا ہوں اپنے درِ دل پہ دستک
یہ میں ہوں کہ اپنی ہی آہٹ نہ پا کر تراشدہ بت کی طرح چپ کھڑا ہوں
گئی ساعتوں کا سیہ دکھ اٹھائے یہی سوچتا ہوں
کہ کب ہے پہلو سے کوئی شگوفہ مہک کر زمانے کو آواز دے گا
جو اِن شاخچوں کی دھنک جانے کب مجھ کو زندہ کرے گی
دریچوں کے پیچھے، دریچوں سے باہر، وہی فاصلہ ہے
مری سوچ مری طرح میرے ہونٹوں پہ پتھرا گئی ہے
یہ ساعتیں اور لمبی سڑک
شب کے قدموں کی آہٹ قریب آ رہی ہے

یادوں کے بے رحم خنجر دلوں میں اتر جائیں تو شامیں لہولہو ہو جاتی ہیں۔ منظر خون آشام سیاہیوں کا لباس پہن لیتے ہیں، منڈیروں پر جلتے دیئے ، بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ سانسیں گلے میں اٹک جاتی ہیں، دھڑکنیں رک جاتی ہیں۔ تنہائیوں میں جھلستی یہ شامیں بے ثباتی کے رنگوں کو اور گہرا کر دیتی ہیں۔ لبِ سکوت پر جالے آ جاتے ہیں۔ دکھ کی امبر بیل خوشیوں کو چاٹ لیتی ہے۔ نغمے روٹھ جاتے ہیں دکھ کی یہ رم جھم برسات انصاری صاحب کے ہاں میر کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے کہیں یہ تنہائی میں بجھی راتیں اور سناٹوں میں گھرے ہوئے راستے ناصر کاظمی کے ہم مزاج ہو جاتے ہیں وہی منظر، وہی پس منظر، وہی خاموشی، وہی سیاہ راتوں کی زلفوں کے پیچھے اکھڑی سانسوں سے ڈگمگاتی زندگی

کہیں رک سی جاتی ہے۔ نظم جہاں میں ہوں، کوہ ندا کے دامن میں، واپسی، میں جانتا ہوں، رائیگانی، سکوت، شب میں یاد، اور تنہا انہی کیفیات کا شاہکار اظہاریہ ہیں۔ وہ ان تمام تر دکھ درد و کرب کے باوجود کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ انھوں نے شیلے کی طرح ایک اچھے اور تابناک مستقبل کی امید دلائی ہے۔ غازی علم الدین نے لکھا ہے۔(۱۱)

''وہ مایوسی اور ناامیدی سے گریزاں ہیں وہ ماضی کے دھندلکوں سے روشنی اور مایوسیوں کے جنگل سے امید کی کرن تلاش کرتے ہیں حال میں درپیش خطرات سے خبردار کرتے ہیں اور مستقبل کی پیش بندی کرنے کی تلقین کرتے ہیں''

اردو ادب میں اسلم انصاری جنوبی پنجاب کی شناخت بنے۔ انہیں اپنی مٹی سے حد درجہ محبت تھی۔ خاص طور پر ملتان کے ادبی حلقوں میں انھوں نے اپنی پہچان بنائی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ملتان کو شناخت ہی انہیں کی بدولت ملی۔ ڈاکٹر انوار احمد رقمطراز ہیں،(۱۲)

''مذاکرہ اور محفل مشاعرہ میں اسلم انصاری ان لوگوں میں سے تھے جن کی بدولت ملتان کو بھی علمی اعتبار نصیب ہوا''

جدوجہد، کوشش، عزم مسلسل، ریاضیت، محنت، مشقت انصاری صاحب کی نظموں کے موضوعات ہیں۔ خاص طور پر خون پسینہ بہانے والے محنت کش مزدور، ورکر ان کی شاعری میں ایک خاص انداز میں ملتے ہیں۔ تعمیر و ترقی میں مزدور بنیادی حثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی محنت شاقہ کو خراج پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔(۱۳)

مزد بھی لفظ ہے اور مزدور بھی
ان کے پیچھے مگر لانہایت زمانوں کے آلام ہیں
درد کی خلعتیں، دکھ کے انعام ہیں
لیتے لیتے، جنہیں نسل در نسل لوگوں کی عمریں ڈھلیں
قافلے بھی لٹے، آندھیاں بھی چلیں
مزدو مزدور لیکن بدستور ہیں
کام کرتے ہوئے، رنگ بھرتے ہوئے
کھیت کھلیان میں آتے جاتے ہوئے
کارخانوں میں کرگھے چلاتے ہوئے
بوجھ اٹھاتے ہوئے، یہ جو مزدور ہیں
آج بھی چشم تہذیب کا نور ہیں

ارد گرد نظر ڈورائیں تو بے شمار لوگ جبینوں پر بے بسی کے بینر سجائے نامصائد حالات میں بھی زبان نہیں کھولتے، جیتے جی مرتے ہیں قدم قدم پر بھوک و افلاس کا سامنا کرتے ہیں ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ غربت کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں حوصلوں کے یہ پہاڑ جذبوں کے شناور

کہیں خانہ بدوشوں کی صورت میں، کہیں فٹ پاتھوں پر تو کہیں جھونپڑیوں میں مقید زندگی کے لمحے گزار رہے ہوتے ہیں اکثر نظموں میں ان کی تصویر کشی ملتی ہے نظم بے بسی کے چند مصرعے ملاحظہ کیجیے۔(۱۴)

تم جو انسان کی عظمت کی قسم کھاتے ہو
کسی بے بس، کسی مجبور کی حالت پہ
نہیں رو سکتے
کاش اک روز کچھ ایسی بھی خبر لاؤ کہ تم
اپنے ہمسائے کی غربت کا تصور کر کے
رات بھر چین سے اک پل بھی نہیں سو سکتے

اسلم انصاری کے ہاں نظموں میں عصری شعور سانس لیتا ہے۔ماضی سے بے پناہ عقیدت اور تاریخی واقعات کو یاد رکھتے ہیں تاریخ میں روشن چہروں پر گرد نہیں پڑنے دیتے۔انہیں یاد رکھتے ہیں ان کی ذات میں پوشیدہ صلاحیتوں سے دوسروں کو روشناس کراتے ہیں۔ جن عظیم شخصیات نے ہمیں انگلی پکڑ کر راستہ دکھایا، جن عظیم لوگوں نے غلامیوں سے نجات دی، جن عظیم ہستیوں سے ہمارے روابط رہے، جن کی محبتیں سرمایہ حیات ہیں جو ہماری زندگی کا حصہ رہے جن کے بغیر لمحوں کا گزرنا مشکل ہوا۔ یا جن لوگوں نے تاریخ بنائی انہیں یاد رکھنا ہمارا فرض بھی ہے اور قرض بھی۔اس قرض کو خوبصورت انداز میں انصاری صاحب نے چکایا ہے۔کچھ نظموں کے مصرعے ملاحظہ کیجیے جو ان عظیم ہستیوں کو عنوان بنا کر نظموں کا آہنگ عطا کیا گیا ہے۔ نظم شخص و عکس (قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح)،(۱۵)

بھائی کی طرح وہ گفتار میں کردار کی شان
وہی لہجہ، وہی آواز، وہی طرز سخن
نہ کبھی اس نے کہا آہ برادر مرا
نہ کبھی شکوہ کیا ہائے مسافت کی تھکن
قوم نے اس کو پکارا جو قیادت کے لیے
اس کی آواز بنی قوم کے دل کی دھڑکن

اے حاصل اضطراب صد دل (بحضور قائد)

وہ اس کا سکوت وہ خطابت
وہ قوتِ فکر کی جزالت
اخلاص عمل کی ایک تجسیم

ایمان ویقیں کی وہ تعلیم
وہ بیتے دنوں کا اک نشان تھا
انعام خدائے دو جہاں تھا

ایک اور نظم ساقی نامہ میں قائدِ اعظم کو اسطرح خراجِ عقیدت کا اذن دیا،(۱۶)

تحرک میں بدلا جمودِ عمل
کیے اس نے عقدے تدبر سے حل
وہ اقبال کے مردِ مومن کی شان
صداقت کا لہجہ خرد کی اٹھان
خرد پرور و عشق عالی مقام
وفا کرتی ہے اس کو جھک کر سلام

ٹیپو سلطان ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ بے باک، جری، بہادر سرزمین ہند کا مجاہد جس نے اسلامی پرچم کو سربلند رکھا، جس کے پاوں کبھی ظلم کے سامنے نہیں ڈگمگائے۔ جس کے حوصلے کبھی پست نہ ہوئے۔ جس کے لیے دین حق کے جان کی قربانی پیش کی ان محبتوں کی سرشاری میں ایک نظم کے مصرعے ہیں۔(۱۷)

آہ، وہ سلطان ٹیپو، وہ سری رنگا پٹم
کتنے اونچے جارہے تھے فوجِ ٹیپو کے علم
اس کا ہر قول و عمل رمز فراز زندگی
حریت کیشی تھی اس کو کشف راز زندگی
(آہ وہ ٹیپو سلطان)

ٹیپو سلطان کی شہادت پر یوں گویا ہوئے ہیں۔(۱۸)

بروز معرکہ تھی آشکار وصائقہ بار
وہ تری سطوت جاں سوز و تیغ بے زنہار
قریب آتے نہ تھے خوف سے عدو ترے
کہ تیری نعش کسی طرح تھی نہ مرگ آثار
(ٹیپو سلطان کی شہادت پر ایک نوحہ)

نیلسن منڈیلا جدوجہد کی تاریخ کا ایک تابندہ استعارہ ہے۔اس نے حق و صداقت کے لیے بے پناہ قربانی دی،اس قربانی کو تاریخ ہمیشہ یادرکھے گی نیلسن منڈیلا کو اسلم انصاری نے اپنی ایک نظم میں یوں اظہار کا حوالہ بنایا ہے(۱۹)

اتنی جفا کو کون بھلا کر سکے معاف
اس نے مگر بہ خندہ جبیں در گزر کیا
خاموش انفعال سے توڑا طلسم جبر
سی سالہ شب کو کیسے یقیں سے سحر کیا
اب لے اڑے گا شہپر ایام اس کا نام
ہر چند اس کو ماضی میں آشفتہ تر کیا
نقش دوام بر سرِ لوح زمانہ است
اسود نے دی ہے احمرِ ایام کو شکست
(اسود نے دی ہے احمرِ ایام کو شکست)
(نیلسن منڈیلا کے لئے ایک نظم)

ڈاکٹر اسلم انصاری نے ریڈیو پاکستان ملتان کے لئے جو نمایئے تحریر کیے اس میں فنی و فکری ریاضتوں کے گلاب مہک رہے ہیں جنہیں کلیات میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ گویا آپ کی شاعری میں رنگوں کا گلدستہ خوش رنگ اظہاریہ ہے۔ لفظوں کی ایک کائنات ہے جو مفاہیم کی اجرک لیے ان کے اسلوب کا امتیاز ہے۔ ان کی جاندار نظموں میں مژدہ اے چشم، شخص و عکس، وہ ایک شخص، موسم گل، ٹھہری شام، درخشاں، سوال، زمان و مکان کے بعد، بچاری، محبت، شام، بے بسی، موج شعور، فقط حرف تمنا، عشق ناکام، مری ایک خواہش، نشاط غم، جشن طرب، آج بھی چشم، ملتان، آئندہ، پرندے، بقائے رات، اے ہوا، رقاصہ، تبدیلی، وہ روز لوٹ آئے، دبستانِ سحر، اعلان بہار، لغزش، سر سری جائیں، ماضی، پہلے پہل، عشق، ان آنکھوں کو، برف کی گود، آنکھ، شامل ہیں۔ استعاروں کی کہکشاں میں سانس والے انصاری صاحب کے بارے میں شاعر علی شاعر کہتے ہیں۔(۲۰)

"ان کی شاعری فصاعت کی آئینہ دار ہے اور اس میں ان کا ذاتی تجربہ مشاہدہ اور مطالعہ بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور انفرادی و اجتماعی فکر و نظر جذبات واحساست رنگارنگ انداز میں سمٹے ہوئے ملتے ہیں۔ حیات و کائنات ان کے یہاں کسی دھندلے اور غبار آلود آئینے کی طرح نہیں بلکہ صاف شفاف آئینے کے مانند ہیں، زندگی اپنی گوناگوں کیفیتوں سے معمور ملتی ہے۔ ان کے داخلی و خارجی احساسات شاعرانہ توانائی کے ساتھ شعری آواز میں ڈھل گئے ہیں"۔

علمی ادبی شخصیات سے اس والہانہ محبتوں کو انصاری صاحب نے کائنات دل میں ہمیشہ سجا کر رکھا ہے۔ان سے علمی ادبی تعلق کو نہ صرف یاد

رکھا بلکہ ادب کی دنیا میں محفوظ بھی کر دیا ہے۔ چند نابغہ روزگار ہستیوں کے حوالے سے ان کے اشعار دیکھیے۔(۲۱)

اس نے میخانہ اقبال کا در باز رکھا
وہ فروزندہ آفاق جہانِ اقبال
زندہ رود اس کے قلم سے ہوئی تابندہ کتاب
عصر حاضر میں رہا بن کے نشانِ اقبال
اس نے آراستہ کی کاہکشان اقبال
امر واقع کے بیاں میں وہ صداقت آثار
(ڈاکٹر جاوید اقبال کی یاد میں)

احمد ندیم قاسمی سے ذاتی تعلق اور دوستی تھی۔ ان کے مجلہ فنون میں بھی اسلم انصاری کے مضامین اور شاعری شائع ہوتی رہتی تھی۔ مشاعروں میں بھی دونوں مدعو کیے جاتے تھے۔ قاسمی صاحب جب ملتان آتے تو انصاری صاحب سے ضرور ملاقات رہتی تھی۔ فنون میں شائع ہونے والی ادبی مباحث میں بھی انصاری صاحب اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ قاسمی کے ساتھ ہی ادب کا ایک عہد ختم ہوا، قاسمی سے اپنائیت کا اظہار ان کے ہاں کچھ یوں ہے۔(۲۲)

سخن وری میں یگانہ، وہ نظم ہو کہ غزل
نگار فن کا پرستار تھا مدیر شہر
وہ کوئی حرفِ مکرر نہ تھا کہ مٹ جاتا
زمانہ لا نہ سکے گا سخن میں اسکی نظیر
(وہ ایک شخص کہ تھا اہتزازِ شعلہ گل)
بیاد احمد ندیم قاسمی

ایک اور نظم میں قاسمی صاحب کو یوں خراج پیش کیا۔(۲۳)

استفادہ عام تھا اس کی منظور دلنوازی سے
بظاہر دیکھنا اس کا ذرا سی بے نیازی سے
ہجوم التفاتِ دوستاں سے بڑھ کے لگتا تھا
کبھی جب جھلملا جاتی تھی شمع ضوفشاں اس کی
تو پھر بھی رک نہ پاتی تھی طلاقت میں زباں اس کی

تامل خیز لمحوں میں بھی جیسے رزمیہ اس کا
عبورِ سطر و کاغذ کی کبھی تھکتا نہ تھا پل چھن
مگر اس کے لئے یارو
درخشاں چاہیے باطن
(درخشاں چاہیے باطن)
بیاد احمد ندیم قاسمی

احمد ندیم قاسمی انصاری صاحب کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے انہوں نے بارہا انصاری صاحب کی شعری لطافتوں کو سراہا ہے وہ ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔(۲۴)

''جب اس عہد کی جدید امیجری، جدید علامتیں اور جدید استعارے اسلم کی گہری عصری بصیرت اور آفاق گیر تفکر کے حوالے سے اس کے شعر میں وارد ہوتے ہیں تو اظہار وابلاغ اور رنگ وآہنگ اور معنی ومفہوم کا معجزہ تشکیل پذیر ہوتا ہے''

سانحے دل ودماغ پر نقش چھوڑ جاتے ہیں، صدیوں تک یاد رہتے ہیں۔ وطن عزیز کئی دہائیوں سے دہشت گردی کے آسیب میں پھنسا ہوا ہے۔ اچانک ناگہانی آفت کئی گھروں کے چراغ بجھا دیتی ہے بم دھماکے، خود کش حملے اور ذاتی دشمنیوں کے اژدہے چاروں طرف رینگ رہے ہیں بے بسی کے ان موسموں میں، بے سمتی کے اس دور میں انسانیت تار تار ہے یہ ملک دشمنی ناسور کی طرح چاٹ رہی ہے اور اس سے نکلنے کا فی الحال کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ دشمن طاقتیں جہاں ہماری نظریاتی اساس کو پارہ پارہ کر رہی ہیں وہاں ہماری سرحدیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔ یہ دشمن طاقتیں آسانی سے لالچ دے کر ہمارے اندر قوتوں کو خرید لیتی ہیں اور انہی کو ہمارے خلاف استعمال کرتی ہیں اس ایسے اور ہونے والے سانحات کو انصاری صاحب نے بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ سانحہ اے پی ایس قومی تاریخ کا ایک سیاہ باب تھا جب ننھی ننھی کلیوں کو موت کی نیند سلایا گیا۔ والدین کے خوابوں کو قتل کیا گیا اور مستقبل کے معماروں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماضی کا حصہ بنا دیا گیا۔ اس حوالے سے ایک نظم کے چند مصرعے دیکھیں۔(۲۵)

وہ روز لوٹ کے آتے تھے آج لائے گئے
وہ روز جاگتے تھے لیکن اب سلائے گئے
چراغِ شام کی مانند کیوں بجھائے گئے
وہ آسمان کے ستارے تھے کیوں گرائے گئے
وہ پنسلیں، وہ کتابیں، وہ درس گاہ کے نشاں
ایک ایک بستے میں امید وآرزو کے جہاں
ستم شعاروں نے دیکھی نہ پنکھڑی نہ گلاب

بھرا تھا کس نے رگ وپے میں ان کے یہ زہراب

(سانحہ پشاور پر ایک نوحہ)

اداروں سے محبت ایک فطری امر ہے۔اس محبت کا اظہار بھی ان کے ہاں بہت دلکش انداز میں موجود ہے۔گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان ایک ایسی دانش گاہ جہاں کئی نامور ہستیوں نے تعلیم سے اپنا دامن بھرا اور بامراد ٹھہرے اس درسگاہ کے لئے اپنے جذبات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔(۲۶)

ماوراذات سے خدمت ہے یہاں کا دستور

حاصلِ درس یہاں علم بھی کردار بھی ہے

اشکِ صد موسمِ گل جس کی بہارِ تدریس

ایک دانشکدہ جو گل بھی ہے گلزار بھی ہے

ایک مرکز ہے کہ ہے عرصۂ دانش کو محیط

اک آوارہ ہے کہ منزل بھی ہے معیار بھی ہے

(ایک دانشکدہ جو گل بھی ہے گلزار بھی ہے)

شاعری کا وہ کونسا رنگ ہے جو انصاری صاحب کے پاس نہیں۔انہوں نے ہر صنف پر قلم اُٹھایا اور اسے جاوداں کر دیا۔گیتوں کے حوالے سے جو مدھرتا، کومل پن اور لطافت درکار ہوتی ہے بہت ہی شاندار انداز میں ان کے ہاں موجود ہے۔انسانی دھڑکنوں، خواہشوں، خوابوں اور محبتوں کا جادو ان کے گیتوں میں بولتا ہے۔جہاں جواں جذبوں کو اس میں شامل کیا ہے وہاں بچوں کے گیت بھی ان کے شعری اثاثے کا حصہ ہیں۔ان گیتوں کے چند مصرعے دیکھیے۔(۲۷)

ہمارے گیت رہیں گے سبھی نواؤں میں

مہک ہماری ہے گلزار کی ہواؤں میں

ہمیں جو پیار ملے گا تو پیار ہی دیں گے

وطن کے محسنوں کو چاہت کی چاندی دیں گے

ہم آنے والے ہر اک دن کو روشنی دیں گے

خواجہ فرید ہماری دھرتی کے وہ شاعر ہیں جو وسیب کا حوالہ ہیں شناخت ہیں خواجہ فرید سے بھی اپنی والہانہ عقیدتوں کا اظہار کرتے ہیں۔(۲۸)

زہے نشاط جو روح القدس کرے تائید

صریرِ خانہ ہے آہنگ ذکر خواجہ فرید

وہ صنف شعر کہ جو روح کی تلاش میں تھی

بہ فیض خواجہ ہوئی رشکِ نغمہ تاہید

(حضرت خواجہ غلام فرید)

اسلم انصاری غنائیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ، انہوں نے ان منظوم شعری صنف میں کرداروں کی زبان سے جو مکالمے ادا کرائے ہیں وہ فطرت سے قریب تر ہیں بلکہ کچھ تاریخی کرداروں اور واقعات کو مصور کر دیا ہے اسی طرح رباعیوں میں بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنا شعری قد بہت نمایاں کر دیا ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر نجیب جمال نے لکھا ہے۔(۲۹)

”خود اپنی ذات کی تمام تر داخلی و خارجی مظہریت بالخصوص داخلی کیفیات کی سچی ترجمانی، خیال و معنی آفرینی، متغزلانہ آہنگ، لفظی و معنی محاسن اور کہیں کہیں عارفانہ سر مستی کا کیف مل کر جمالیاتی احساس کو ان کی ہر رباعی میں نمایاں تر کرتا ہے“

References

1.Abdul Latif Akhter, Miar Takhleeq ,Guftogoo, Taqulumat, Fiction House ,Lahore, Page 128
2,Aslam Ansari ,Khawb o Agahi ,karwan e Adab Multan, Edition 1,1986,Page 108
3. Ghulam Hussain Sajid ,Taeed, Orient Publishers,Lahore,1996,Page 70
4. KhurshidRizvi ,Aslam Ansari, Shakhsiat Aur Fun,Dar ul Nawadir Publishers, Lahore Page7
5. Wazir Aagha, Mazmoon,Ghazal aur Nazm ka Bunyadi Farq, Reference Nigar Pakistan Katrach,,1989,page113
6. Dr.Tabassum Kashmiri,Rashid Hamare Ahd main Reference Mahnoor, Feb 1994,page 43
7. Aslam Ansari, Khawb o Agahi, Karwan e Adab Multan,Edition 1 ,1986, Page 129
8. Ibid Page 131
9. Aslam Ansar,Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.1, Page 247
10. Ibid Page 117
11. Ghazi Ilmodin, Foreword Armghan Pak,Kulyat Aslam Ansari,Rang Adab Publications, Karachi Vol.2 Page 972
12. Dr. Anwar Ahmad, Aslam Ansari, Multan ka Aik Number Mamooli Takhliq Kar Aur Naqad,9 Oct.2018, https://www.girdopesh.com/dr-anwaar-ahmad-18/
13. Aslam Ansar,Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.2, Page 896
14. Ibid Page 755
15. Ibid Page 699
16. Ibid Page 1101
17. Ibid Page 1015
18. Ibid Page 1017
19. Ibid Page 864
20 .Shair Ali Shair, Muqadema Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.2, Page 34
21. Aslam Ansar ,Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.2, Page1206
22. Ibid Page 702
23. Ibid Page 716
24. Ahmad Nadeem Qasmi, Flap, Khawb o Agahi,karwan e Adab Multan, Edition 2,,1993,Page 108
25. Aslam Ansar ,Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.2, Page1230
26. Ibid Page 733
27. Ibid Page 73
28.Aslam Ansari, Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.1, Page665
29. Dr.Najeeb Jamal, Rubiyat Aslam Ansari, Aik Jaiza, Kulyat Aslam Ansari, Rang Adab Publications,Karachi,Vol.2, Page1128